

نجات کے لئے

نمبر 3462

ایک منادی

جو جمعرات، 10 جون، 1915 کو شائع ہوئی

واعظ: سی۔ ایچ۔ اسپرژن

مقام: میٹروپولیٹن عبادت گاہ، نیوننگٹن

"کیا زبردست سے لوٹا ہوا مال واپس لیا جائے گا؟ یا کیا حق پر قید کیا گیا اسیر چھڑایا جائے گا؟"
(اشعیا 24:49)

اُن ایام میں جب یہ نبوت قلمبند ہوئی، زمین کی بعض بڑی سلطنتیں اپنا مال و زر تجارت کے ذریعہ نہ بلکہ لوٹ مار کے ذریعے حاصل کرتی تھیں۔ وہ انصاف سے خرید و فروخت نہ کرتیں بلکہ جنگ و جدال کے ذریعہ اپنے آسودہ حال پڑوسیوں پر چڑھ دوڑتیں۔ بابل اور کلدانیوں کی اقوام بڑے لشکر جمع کرتیں اور اسرائیل و یہوداہ جیسے چھوٹے علاقوں پر حملہ آور ہوتیں، اور وہاں کے باشندگان کی ساری ملکیت لوٹ کر لے جاتیں۔

جب یہ لوٹ مار کرنے والی فوجیں، فتح کے نشہ میں سرشار، اپنے وطن کو لوٹتیں اور اپنے شکار کو ساتھ لے جاتیں، اُس وقت اُن سے وہ مال چھیننا نہایت خطرناک بات ہوتی۔ "کیا زبردست سے لوٹا ہوا مال واپس لیا جائے گا؟" جو کوئی بڑا بادشاہ چھین چکا ہو، اور جس کے بہادروں نے اس کے لیے جنگ لڑی ہو—کیا وہ مال اُن سے واپس لیا جا سکتا ہے؟ کون ہے وہ سپاہی جو فتح یابوں پر حملہ کرے جب وہ غنیمت کے ساتھ لوٹ رہے ہوں؟

بعض اوقات معاہدے توڑے جاتے اور پھر بابل والے اس کو ایک بہانہ بنا کر لوگوں کو اسیری میں لے جاتے۔ یوں وہ "حق پر قید شدہ اسیر" کہلائے جاتے، کیونکہ انہوں نے شرائط امن توڑ دی تھیں اور جنگی قانون کے مطابق قیدی بننے کے مستحق ٹھہرے تھے۔ پس جب قہر آلود بادشاہ اور شہزادے اُن شہروں کو فتح کر لیتے جنہوں نے ان سے دغا کی تھی، تو کیا کوئی ہے جو اُن قیدیوں کو چھڑا سکے؟ کون ہے جو بادشاہ اور اُس کے حق پر قید شدہ اسیر کے درمیان آ کر اُس کو رہا کرے؟ یہی اُس آیت کا "حقیقی مفہوم ہے،" "کیا زبردست سے لوٹا ہوا مال واپس لیا جائے گا؟ یا کیا حق پر قید کیا گیا اسیر چھڑایا جائے گا؟"

یہ سب سے پہلے یہودی قوم پر منطبق ہوتا ہے۔ وہ بابل میں اسیر کر لیے گئے۔ کیا وہ کبھی آزاد کیے جائیں گے؟

خُداوند نے فرمایا کہ وہ رہا کیے جائیں گے، اور یوں ہی ہوا۔ وقت مقررہ پر وہ بغیر قیمت اور انعام کے اپنی سرزمین میں واپس لائے گئے۔ خُدا نے اپنے کلام کے ذریعہ وعدہ فرمایا تھا، اور اپنی مداخلت سے اُسے پورا بھی کیا۔

اب جبکہ ہم اس کے ابتدائی اور لفظی مطلب کو پیچھے چھوڑتے ہیں، ہم تمہاری توجہ اس کے روحانی مطلب کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں، اور یہ سوال کرنا چاہتے ہیں، خاص کر تم میں سے بعض کے لیے جو اس سے گہرا تعلق رکھتے ہو۔ اگر تم پر یہ ظاہر ہو جائے کہ تم "قیدی" ہو، اور کہ تمہاری اسیری کی حالت کے مطابق تم "حق پر قید شدہ اسیر" ہو، تو تم اس معاملہ کی سنگینی اور فوری اہمیت کو محسوس کرو گے۔ "کیا تمہارے لیے رہا ہونا ممکن ہے؟" کیا کوئی بازو ہے جو تمہاری زنجیروں کو توڑنے کی قدرت رکھتا ہے؟

پس ہم اس بیان سے آغاز کریں گے:

I

وہ قدرتی اسیری جس میں ہر نیا مخلوق نہ ہوا انسان گرفتار ہے۔ :

ہر وہ مخلوق جو آدم کی نسل سے پیدا ہوئی، اور جس نے فضل کے وسیلہ سے نجات نہ پائی، گناہ کی قید میں گرفتار ہے۔ وہ خُدا کی شریعت کے نزدیک ایک حق بجانب قیدی ہے۔ اُس کی فطرت گناہ کی قوت اور سلطنت کے ماتحت غلامی میں ہے، کیونکہ اُس کی فطرت ہی بدی آلودہ ہے۔ وہ انسان حادثاتی طور پر گناہ نہیں کرتا—بلکہ گناہ کا ارتکاب اس لیے کرتا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ گناہ کرے؛ وہ اس میں مسرت پاتا ہے؛ وہ اپنا دل اُس میں ڈال دیتا ہے۔

جس طرح مچھلی فطری طور پر پانی میں تیرتی ہے، اُسی طرح غیر تبدیل شدہ انسان کے لیے گناہ اُس کی بگڑی ہوئی جبلتوں سے ہم آہنگ ہے۔ وہ بُرائی کو چُن لیتا ہے، اور اُسی میں مگن رہتا ہے۔ وہ نیکی سے گریز کرتا ہے اور اُسے رد کرتا ہے۔ پس کون ہے جو ایسے انسان کو رہائی بخشے جس کی فطرت ہی غلامی میں گرفتار ہو؟

علاوہ ازیں، عادتوں کی زنجیریں اُن پر اور بھی سخت ہو جاتی ہیں جو اپنی خواہشات کی پیروی تو کرتے ہیں مگر کبھی اُنہیں لگام نہیں دیتے۔ ایک وقت تھا جب تُو جھجکتا تھا—آیا اُس لذت کی طرف جھکے جو تجھے لہہاتی تھی، یا اُس ضمیر کی آواز سننے جو تجھے روکتی تھی۔ مگر تُو نے بُرائی کو چُنا—اور اب حبشی کا اپنی کھال بدلنا، یا چیتے کا اپنے دھبے مٹانا، تجھ سے کہیں زیادہ ممکن ہے کہ تُو اپنی گناہ آلودہ طبیعت کو بدل سکے—کیونکہ جو بُرائی کرنے کا عادی ہے، اُس کے لیے نیکی سیکھنا نہایت دشوار ہے۔

ایسا ہی ہے جیسے کوئی سورج کے راستے کو پلٹ دے، یا نیاگرا کے پانی کو اُس کے سرچشمہ کی طرف واپس موڑ دے، یا شمالی ہوا کی شدت کو روک لے، یا ابھرتے ہوئے جوار کو تھام لے—یہ امید کرنا کہ کوئی انسان اپنی ان راہوں سے باز آئے جو اُس نے برسوں کی مستقل تکرار سے اپنا لی ہیں، اور جو اُس کی فطرت کا حصہ بن چکی ہیں، عبث ہے۔

افسوسناک طور پر، رسم و رواج—جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ نادانوں کا قانون ہے—ایسی بدکاریوں کو قبولیت دیتا ہے جو بصورتِ دیگر نفرت انگیز ہوتیں۔ انسان گناہ کی غلامی پر بخوشی آمادہ ہو جاتا ہے کیونکہ دوسرے بھی ویسا ہی کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے، "مجھے بھی وہی کچھ کرنا ہے جو میرے پڑوسی یا میرے ہم نشین کرتے ہیں۔ میں اکیلا کیوں مختلف ہوں؟ عام دھارے کے خلاف کیوں بہوں؟ اگر دوسرے اُسے بُرا نہیں سمجھتے، کوئی ندامت نہیں رکھتے، بلکہ اُسے خوشگوار کھیل سمجھتے ہیں، تو میں کیوں نہ اُن کے ساتھ شریک ہو جاؤں؟" کیا ہمیشہ یہی شادمانی نہیں کہ بھیڑ کے ساتھ چلا جائے؟ وہ وسیع راہ بہتر نہیں جہاں ہر قسم کی رفاقت میسر ہو؟

اور اے بھائیو! جتنے لوگ اپنے اعمال پر کم غور کرتے ہیں، اتنے ہی خود سے مطمئن ہوتے جاتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہنسی مذاق گناہ کا زہر نکال دیتی ہے، اور چالاک فحاشی کو معصوم لباس پہنا دیتی ہے۔ لیکن فریب نہ کھاؤ! وہ رسمیں جنہیں تم اپناتے ہو، وہ عادتیں جنہیں تم عزیز رکھتے ہو، تمہاری اپنی بگڑی ہوئی فطرت کے ساتھ مل کر ایسی زنجیر بناتی ہیں، جسے برکولیس کی طاقت بھی توڑ نہیں سکتی—ایک ایسی زنجیر جو مخلوق کو جسم کی غلامی میں جھکاتی ہے، نہ کہ اپنے جلیل خالق کی اطاعت میں۔

ہر انسان، اپنی حالت کے مطابق، کسی نہ کسی خاص زنجیر میں بندھا ہوتا ہے جو اُسے رگڑتی اور زخمی کرتی ہے۔ کچھ کمزوریاں اُس کے مزاج میں جمی ہوئی ہیں۔ کچھ وسوسے اُس کے پیشہ یا مشغلے کے باعث ہوتے ہیں۔ یا کچھ الجھنیں اُس کے معاشرتی تعلقات یا خانگی دائرہ میں بندھن کا باعث بنتی ہیں۔ پھری ہوئی خواہشات، بے چین فکریں، اور سخت حالات انسان کو سمندر کی گہرائیوں کی طرف لے جاتے ہیں، جہاں وہ موجوں اور طوفانی تھپیڑوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

جب یہ آفت انسان پر آتی ہے، تو وہ خود کو بے بس پاتا ہے، بالکل ویسے جیسے ہوا کے جھونکوں میں اڑتے ہوئے بھوسے کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ وہ طوفانی آندھی میں اڑا ہوا پرندہ ہو جاتا ہے، جو نہ اپنی مرضی سے رُک سکتا ہے، نہ واپس آ سکتا ہے۔ وہ چاہے یا نہ چاہے، بہا لیا جاتا ہے۔ افسوس! اس میں اُس کی مرضی بھی شامل ہوتی ہے۔ وہ نہ سچائی کے لیے لڑتا ہے، نہ اُس کی مخالفت کرتا ہے، بلکہ جیسے اس کے جذبات اُسے بہا لے جائیں، وہ ویسا ہی کرتا ہے۔

ایسے لوگ بھی ہیں جن کی غلامی خود راست بینی میں چھپی ہوئی ہے۔ وہ اپنے آپ کو کسی گناہ کا مرتکب نہیں سمجھتے۔ وہ ہمیشہ خود کو بری کرتے ہیں، اور اپنی نیکی پر مطمئن ہوتے ہیں۔ اُن کے گناہ اُن کے نزدیک معمولی باتیں ہیں۔ وہ اپنے آپ کو اپنے ہمسایوں جتنا نیک سمجھتے ہیں، بلکہ بعض باتوں میں اُن سے بہتر۔ اور یہی اُن کی خود پسندی ہے۔

توبہ کرنا وہ نہیں چاہتے۔ معافی کی طلب اُن کے دل میں نہیں۔ انجیل اُنہیں بار بار سناتی ہے کہ وہ کھوئے ہوئے ہیں، مگر اُن کے لیے انجیل ایک خیالی افسانہ ہے—ایسا پیغام جو اُن کے نازک جذبات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ وہ جنت کا راستہ اپنی نیکیوں سے ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُنہیں کیا حاجت کہ وہ پکاریں، "اے خُدا! مجھ گناہگار پر رحم کر!" اُنہیں کیوں اُنسو بہانے کی ضرورت ہو؟ اُنہیں کیوں اُس فوارہ کے پاس جانا پڑے جو خون سے پاک کرتا ہے؟ وہ اپنے آپ کو گندہ محسوس ہی نہیں کرتے۔ دوسرا شاید کہے:

"!سیاہ ہوں، اور چشمہ کی طرف دوڑتا ہوں"

مگر وہ اپنے آپ کو سیاہ جانتے ہی نہیں—سو وہ کسی چشمہ کی طرف بھی نہیں جائیں گے۔ یہ ایک اور زنجیر ہے، اور کیسی بھاری زنجیر ہے! کیسی مشکل ہے اسے توڑنا! خود فریبی کے کچھ اسیر ایسے جکڑے ہوتے ہیں کہ اُنہیں آزاد کرنا اُن سے کہیں دشوار ہے جو لاپرواہ اور عیاش زندگی گزار رہے ہیں—اور جن کے ساتھ اُن کا موازنہ کرنا وہ اپنی توبین سمجھتے ہیں۔

ایسا ہی تھا مسیح کے ایام میں۔ محصول لینے والے اور کسبیاں—یعنی شہر کا گند، قوم کی چھانٹی—خُدا کی بادشاہی میں داخل ہوئیں، اُس کا خیر مقدم کیا، اور قبول کی گئیں؛ لیکن فریسی اور فقیہ، یعنی اُس وقت کا اعلیٰ طبقہ، عبادت گاہ کے معزز اور معتبر افراد، اپنی خود راست بینی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے، گناہگاروں کی اُمید کو حقیر جانتے، نجات دہندہ بادشاہ کو رد کرتے، اور اپنے ہی فریب میں ہلاک ہوئے۔

اور ہائے! کتنے ہیں جن کے دلوں پر جان بوجھ کر کفر کا یخ زنجیر بندھی ہوئی ہے؟ وہ دلیلیں اور ثبوت مانگتے ہیں، مگر صرف رد کرنے کو۔ انہیں نشانیاں اور معجزے دکھائے جاتے ہیں، مگر وہ اُن پر طعن کرتے ہیں، یہاں تک کہ اُن کے دل اور بھی سخت ہو جاتے ہیں۔ کوئی دلیل اُن پر اثر نہیں کرتی۔ دلیل دینا ہمارے لیے شاید سہل ہو، لیکن انہیں عقل و فہم عطا کرنا دشوار ہے۔

یقیناً، وہ اسباب مہیا کرنا جو اُن کی سمجھ کو بیدار کر سکیں تاکہ وہ اُسے پہچانیں، خود ایک معجزہ ہے۔ اگر اُن کے قدموں کے نیچے کی زمین چھین لی جائے، اگر اُن کے چہرے شرمندگی سے جھک جائیں، بلکہ اگر وہ خود اپنی شکست تسلیم بھی کر لیں

،کسی کو اُس کی مرضی کے خلاف قائل کرو"
"وہ پھر بھی وہی رائے رکھے گا۔"

اُس کی تبدیلی پھر بھی اُسی قدر دور ہے۔ وہ ایک نئی الجھن، ایک نیا مغالطہ پیش کرے گا۔ وہ اُن باتوں کا مذاق اڑائے گا جو نہایت سنگین اور محترم ہیں۔ وہ ایک اور سوال کھڑا کرے گا، ایک اور مسئلے پر جھگڑنا شروع کرے گا۔ اتنے ہٹ دھرم ہو جاتے ہیں کہ اپنی دلیل بازی سے جہنم تک جا پہنچیں۔ وہ اپنی ہی رحمتوں کے خلاف برسریکار ہو جاتے ہیں، اور اپنی ساری منطق کے ساتھ مسیح کی صلیب کے خلاف جنگ کرتے ہیں۔

جب وہ فرمانبرداری کے احکام کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، تو انجیل کے وعدوں کو بھی جھوٹا ٹھہراتے ہیں۔ کیسے ان لوگوں کو رہائی دینا دشوار ہے جو اس طرح زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، جن کے دل اور دماغ دونوں غلامی میں ہیں! ہم نے ایسے دلگیر واقعات دیکھے ہیں—اور وہ بھی اُن میں سے جو بالکل بے اُمید نہ تھے—جنہیں مایوسی نے دبوچ لیا کیونکہ وہ اپنی نظر میں اتنے مجرم تھے کہ وہ رحم کے لائق ہی نہ سمجھے گئے۔ پس وہ توبہ نہ کرتے۔ چونکہ انہیں یقین ہوتا کہ اُن کے لیے کوئی معافی نہیں، اس لیے وہ خُدا کے خلاف خاموش بغاوت میں بیٹھ جاتے ہیں—وہ اُس یسوع پر ایمان نہ لاتے جسے خُدا نے بھیجا۔

چونکہ انہوں نے بہت گناہ کیے، اس لیے اب وہ اور بھی زیادہ گناہ کریں گے۔ اور چونکہ بیماری نہایت بولناک ہے، اس لیے وہ علاج سے ہی انکار کرتے ہیں۔ ہائے افسوس! اے بدبخت رُوحیں! یہ دلائل تمہیں کس کٹھن انجام تک لے آتے ہیں! اور ایسے بندھنوں میں کتنے ہی لوگ گرفتار ہیں، یہ ہم جانتے ہیں جو اُن سے واسطہ رکھتے ہیں۔ اور کس قدر دشوار ہے زور اور سے شکار کو چھین لینا، اور ان جائز قیدیوں کو رہا کرنا—ہم خوب جانتے ہیں۔

اور کیا تم میں سے بہت سے لوگ ہاتھ پاؤں سے بندھے نہیں؟ یوں جکڑے گئے ہو جیسے کلہڑوں میں کس دیے گئے ہوں؟ تمہاری رُوحیں ایسی کچلی ہوئی ہیں کہ ہل بھی نہیں سکتیں؟ اگر تم نے روحانی آزادی کو کبھی جانا بھی ہو، تو اب تم اُس کے مفہوم سے نا آشنا ہو چکے ہو۔ فطرتاً کھوئے ہوئے، عمل سے کھوئے ہوئے، رسم و رواج سے بہکائے گئے، بُری عادتوں سے جکڑے ہوئے، ہر طرح کی بدکاری کے غلام، تم شیطان کی سلطنت کے ماتحت ہو۔

مگر سب سے بدتر بات یہ ہے، جو اس بولناک حالت کو اور بھی سنگین بنا دیتی ہے، یہ ہے کہ ایسے اشخاص خُدا کی شریعت کے جائز قیدی ہیں۔ انہوں نے حکموں کی نافرمانی کی، انہیں کو توڑا، اور جلالی خداوند کو ناراض کیا—پس اُن پر سزا واجب ہے۔ خُدا کی شریعت کی ہر خلاف ورزی کی ایک مقررہ سزا ہے۔ خُدا قصوروار کو ہرگز بے قصور نہ ٹھہرائے گا۔ کوہ سینا کی چوٹی سے رحمت کی کوئی صدا بلند نہیں ہوتی۔ عدل اور انصاف کی بلا شرکت حکومت ہے۔

"ملعون ہے وہ ہر شخص جو کتاب شریعت میں لکھی ہوئی سب باتوں پر عمل نہ کرے۔"

یہ لعنت ہم سب پر فطرتاً عائد ہے—یہ ہمیں زخمی اور چُور کر کے چھوڑتی ہے، اور رہائی کی قدرت ہم میں نہیں پاتی۔ کون ہے جو اُس انسان کو نجات دے جو خُدا کا جائز قیدی ہے؟ کون اُس کے لیے معافی کا دعویٰ کر سکتا ہے جس نے خُدا کی شریعت توڑی ہو؟ یہ ہے گناہگار کی بے بسی اور ناامیدی کی حالت۔ میرا یقین مانو، میں اس بیان میں مبالغہ نہیں کر رہا۔

اگرچہ میرے الفاظ سخت معلوم ہوں، مگر وہ تمہاری حالت کی مکمل ترجمانی نہیں کرتے، اے میرے غیرتبدیل شدہ دوست! تم ایسی حالت میں ہو کہ اگر کوئی درمیان میں نہ آئے—جس کے بارے میں میں آگے بتاؤں گا—تو تمہیں تھوڑی ہی مہلت ملے گی۔

جلد ہی تم اپنی جہالت کے مقامات، مشقت کے مناظر، اور محبت کے گھر سے اُٹھا لیے جاؤ گے اور اُس جگہ پہنچا دیے جاؤ گے جہاں اُمید کا کوئی سویرا نہ ہو گا۔

ابھی تم کھوئے ہوئے ہو، ابھی تم پہلے ہی ملزم ٹھہرائے جا چکے ہو۔ اگر لانتہا رحم دخل اندازی نہ کرے، تو جلد پاتال اپنا دہانہ تم پر بند کر دے گا۔ خواہ میرے الفاظ کتنے ہی سنگین ہوں، وہ تمہارے اندیشناک انجام کو پوری طرح بیان کرنے کے لیے کافی نہیں۔ انسانی زبان سے ممکن نہیں کہ ایک نافرمان رُوح کی ہولناکی کو، اُس گناہگار کی دہشت ناک حالت کو جو اپنے خُدا سے دشمنی رکھتا ہے، مکمل طور پر بیان کر سکے۔

اوہ! تُو اپنے ظاہر کو سنوار لے، تُو خوشی منا اور اپنے چھوٹے سے دِن کو لاپرواہی میں گزار لے، مگر اُس پکار کو روک نہیں سکتا جو تجھے اُنی ہے۔ لیکن اگر تُو دانا ہوتا، تو اُس آواز پر کان دھرتا جو فرماتی ہے

"خُدا ہر روز شریر پر غضبناک ہے۔"

اور تُو کبھی آرام نہ پاتا جب تک وہ غضب ٹھنڈا نہ ہوتا، اور تُو اُس واحد وسیلہ سے خُدا سے میل نہ کر لیتا جس کے سوا کوئی اور صلح ممکن نہیں۔

جتنا ہم اس سوال پر غور کرتے ہیں، اُتنا ہی زیادہ یہ حقیقت اُجاگر ہوتی ہے کہ انجیل کی وحی کے بغیر اس کا کوئی جواب ممکن نہیں۔

"کیا زور آور سے شکار چھین لیا جائے گا؟ یا کیا جانز قیدی رہائی پائے گا؟"

جواب: نہیں، ہرگز نہیں، نہایت زور دار انکار۔

یہ انسان کی تمام قدرت سے بالا تر امر ہے۔

اَوّل دیکھ، اُس انسان کو جو بے بس شکار ہے۔ اُس کی رہائی کی خواہش ہی جاتی رہی ہے۔ جیسے تُو نے کبھی چڑیا گھر میں دیکھا ہو، کہ ایک چھوٹا جانور ایک بھوکے سانپ کے آگے ڈال دیا گیا ہو۔

وہ سانپ اپنی آنکھیں شکار پر گاڑ دیتا ہے، اور وہ مخلوق جیسے بے خبر ہو، ساکت و خاموش کھڑی رہتی ہے۔ یا تو سانپ کی آنکھوں کی چمک سے یا کسی اور نامعلوم تاثیر سے مسحور ہو کر۔ یہاں تک کہ وہ بلا جھپٹ کر اُسے نگل جاتی ہے۔

بعینم ویسا ہی حال اُس آدمی کا ہے جو نیا جنم نہ پایا ہو۔ وہ ہلاکت کے آگے کوئی مزاحمت نہیں کرتا۔

کہا جاتا ہے کہ بعض پرندے سانپوں سے اتنے مسحور ہو جاتے ہیں کہ خود اُن کی طرف اڑ کر اُن کے پنجے میں آ جاتے ہیں۔ کون اُسے بچا سکتا ہے جو خود اپنی جان اور رُوح کو ایسے خطرے میں ڈالے جو ہر دیکھنے والے کو یقینی موت نظر آتی ہے؟

کبھی تُو نے گرمیوں کی شام کو کھڑکی کھول کر بیٹھے دیکھا ہوگا کہ ایک پروانہ تیرے چراغ کی طرف لپکا۔ تُو نے اُسے اُٹھا کر ایک طرف کیا، مگر جب وہ ذرا سی قوت پاتا ہے تو پھر سے شعلے میں جا گرتا ہے۔ تُو ہاتھ بڑھا کر اُسے روکتا ہے۔ پھر صرف تھوڑی دیر کو۔ وہ تو خودکشی پر تَلا ہے اور ہلاکت پر مائل ہے۔

انسان کا بھی یہی حال ہے۔

یا تو کھلے گناہوں میں، یا چھپے شہوات اور ریاکاری میں، وہ اس قدر دیوانہ اور مسحور ہو جاتا ہے کہ اپنی رُوح کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔

کون اُسے رہائی دے سکتا ہے جو رہائی کی مزاحمت کرتا ہے؟

کون اُسے بچا سکتا ہے جو نجات کو قبول ہی نہیں کرتا؟

کیا زور آور سے شکار چھینا جا سکتا ہے؟

کیا فصاحت و بلاغت کوئی فائدہ دے سکتی ہے؟

یہ تدبیر باربا آزمائی گئی، اور باربا ناکام ہوئی۔

کبھی کوئی جان محض خوش بیانی سے گناہوں سے جدا نہیں ہوئی۔

اچھے الفاظ سے آدمی اپنی محبوب خواہشات کو نہیں چھوڑتا۔

نہ لرزتی ہوئی درد مندی، اور نہ ستمگر طنز۔ دونوں بے اثر رہتے ہیں۔

بیضا نے کبھی پتھروں کے ڈھیر کو مخاطب کر کے منادی کی، اور مجھے شک نہیں کہ اُس کا اثر آج کے سامعین پر اُتے ہی

قدر کا تھا۔ جب تک کہ رُوح القدس خود دلوں پر کام نہ کرے۔

میلانگتھون نے گمان کیا کہ وہ اپنی دلیل کی قوت اور جوش سے سب کو ایمان لا سکتا ہے

مگر کچھ عرصہ بعد اُس نے کہا:

"پرانا آدم، نوجوان میلانگتھون سے کہیں زیادہ قوی ہے۔"

ابلیس کو اُس کے قلعہ سے موسیقی کے نغمے یا خطیب کی چالاکی سے نکالا نہیں جا سکتا
چاہے وہ کتنا ہی خوش سُرا برِبط نواز کیوں نہ ہو۔
"کچھ کہیں گے،" کیا شر کو باہر نہیں نکالا جا سکتا؟
"کیا قیدی پاک رسموں اور عبادات سے آزاد نہیں ہو سکتا؟"

یہی تجربہ آج کے زمانہ میں اس ملک میں ہر جگہ کیا جا رہا ہے۔
کیا تُو اس کا نتیجہ خود نہیں دیکھتا؟
—کہا جاتا ہے کہ آدمی ہیٹسمہ سے نیا جنم پاتے ہیں
اور ہم نے ایسے ہیٹسمہ یافتہ بچوں کو پروان چڑھتے دیکھا جو ہماری نظر میں محض
"ہیٹسمہ دیے گئے بُت پرست تھے، جو گناہ میں اور گہرے دھنس گئے۔"

—وہ تمام رسومات—چاہے پرانی روایت کی حمایت سے یا نئے زمانے کے پادریانہ فن سے مزین ہوں
انسانی مرضی کی جھکاؤ کو نہ بدل سکتی ہیں، اور نہ انسانی فطرت کی صفات کو نیا بنا سکتی ہیں۔
یہ مرض بہت گہرا اور بہت شدید ہے کہ کوئی نسخہ اُسے چھو بھی سکے۔

جیسے کوئی شخص بھوسے سے لیویاتھان کو مغلوب کرنے کی اُمید رکھے، ویسے ہی رسم سے ابلیس کو نکالنے کی اُمید رکھنا
ہے۔
اوہ نہیں! قیدی اس طرح آزاد نہیں ہوتا۔

لیکن کیا کوئی آدمی اپنے گناہوں سے خود کو رہائی دے سکتا ہے، اگر وہ نہایت شدت سے جدوجہد کرے؟
ہاں، اے بھائیو، اصل مشکل وہی "اگر" ہے۔
اُسی "اگر" میں سارا فتنہ چھپا ہوا ہے۔ اُسی "اگر" میں ہی قصور کی جڑ ہے۔
آدمی نہ کوشش کرتے ہیں، نہ کرنا چاہتے ہیں، نہ کر سکتے ہیں۔
وہ اپنی ہی فاسد طبیعت کے زہریلے مادہ اور خیانت کی وجہ سے
—اور اپنی سرکش مرضی کے فطری اصرار سے، خدا کے فضل کے خوشخبری کے ساتھ سخت دشمنی رکھتے ہیں
اور یہی "اگر" اُن پر حکمرانی کرتا ہے۔

وہ نہ چاہتے ہیں، نہ راضی ہیں، نہ آمادہ ہیں کہ جدوجہد کریں۔
مسیح نے کیا فرمایا؟
"تُم میرے پاس آنا نہیں چاہتے تاکہ زندگی پاؤ۔"
اب سوال ہے، کیا وہ آ سکتے تھے اگر چاہتے؟
ہاں، مگر اصل مسئلہ یہی ہے—اگر وہ چاہتے، تو وہ آتے، مگر وہ چاہتے ہی نہ تھے۔
میں نے بار بار چاہا کہ تیرے فرزندوں کو جمع کروں جیسے مرغی اپنے چوزوں کو پروں کے نیچے جمع کرتی ہے، مگر تُو
"نہ نہ چاہا۔"

یہی ہے، اے گناہگارو، تمہارے الزام کی بنیاد۔
اگر کہا جاتا کہ تم نہ آ سکتے تھے، تو کوئی عذر بن جاتا
،مگر تم پر یہ الزام ہے کہ تم نے آنا نہ چاہا
اور یہی بات تمہاری ہلاکت کا باعث ہے۔

اگر انسان جبر سے گناہ کرتا، تو اُس پر ملامت کیسے کی جاتی؟
،مگر چونکہ وہ اپنی رضا سے بدی کو چُنتا ہے، اُس سے چمٹا رہتا ہے
،اور اُسے چھوڑنا نہیں چاہتا
تو اُس کی غلامی اور بھی زیادہ قابلِ ملامت ہو جاتی ہے۔
،جب لوہا اُس کی جان میں پیوست ہو جائے
اور وہ صرف بدبختی یا حادثہ سے نہیں، بلکہ اپنی ذلت اور فطرت کی پستی سے
،ابلیس کا غلام اور گناہ کا مزدور بن جائے
تو اُس کی بے چارگی پر ترس کرنا بھی سخت دشوار ہو جاتا ہے۔

انسان اتنا نیچے گر چکا ہے کہ نہ خود کو چھڑا سکتا ہے، نہ چھڑانا چاہتا ہے۔
اور کوئی دوسرا بھی اُسے رہائی نہیں دے سکتا۔

وہ ہاتھ پاؤں سے بندھا ہے، زور آور کا شکار ہے، اور جائز قیدی ہے۔
اے خداوند! اُس کے لیے کیا کیا جائے؟

کیا میں کسی کو کہتے سُننا ہوں
"شاید جب وہ بوڑھا ہوگا تو گناہ کی قوت کم ہو جائے گی؟"
میں نے یہ تجویز کئی بار سنی ہے، مگر میرا پُختہ ایمان یہ ہے
کہ اگر تو کسی آدمی کی بدترین حالت دیکھنا چاہے
تو وہ تیرے سامنے اُن میں ظاہر ہوگی جو عمر رسیدہ ہوں۔
اور اگر تو کسی پکے مجرم کو تلاش کرے
تو عموماً وہ ایسا شخص ہوگا جس کے سر پر سفید بال ہوں۔

کیا تُو نے کبھی کلیسیا کی تاریخ میں غور کیا ہے کہ
کون لوگ سب سے زیادہ سنگین گناہوں میں گرے؟
میں نے کبھی خُدا کے کلام میں یہ نہیں پڑھا کہ نوآموز ایمانداروں میں
ایسی بدترین گمراہی پائی گئی ہو
جیسی اُن بزرگوں میں جن کے نام اپنے وقت کے مینارِ قوت سمجھے جاتے تھے۔
نوجوان کمزور تھے، اور اپنی کمزوری کو جانتے تھے—اور خُدا نے اُن کی حفاظت کی۔

مگر لوط، جب اُس نے زنا کا گناہ کیا، تو بوڑھا تھا؛
جیسے اُس سے پہلے نوح نے لمبی عمر، پختہ تجربہ، اور عزتوں کے باوجود مے نوشی سے اپنے آپ کو ناپاک کیا۔
داؤد، جب اُس نے بتِ سبعہ کو چاہا اور اُس کے شوہر اوریا کو بنی عمون کی تلوار سے قتل کرایا
تو وہ عمر کے شباب سے بہت آگے نکل چکا تھا۔
پطرس، جب اُس نے اپنے مالک کا انکار کیا
تو کوئی نوآموز شاگرد نہ تھا۔
بلکہ اُس کے مالک نے اُس کی بابت بڑی تعریف کی تھی
اور اُسے عظیم برکات عطا کی تھیں۔

اصل بات یہ ہے کہ جب ہم اپنے تجربہ پر بھروسا کرتے ہیں، ہم کمزور ہو جاتے ہیں۔
آزمائش ہماری عمر کے ساتھ کمزور نہیں ہوتی
بلکہ زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔
وہ شبوات جنہیں ہم نے سمجھا تھا کہ جوانی کی حرارت کے ساتھ ماند پڑ جائیں گی
، عمر کی ناتوانی کے ساتھ اور بھی شدید ہو جاتی ہیں
یہاں تک کہ کچھ خواہشیں اُن میں زیادہ بھڑک اٹھتی ہیں
جو اُن کو پورا کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے۔

لالچ کس کے دل میں سب سے زیادہ بھڑکتی ہے؟
اُسی کے دل میں جو زندگی کے کنارے پر کھڑا ہے
اور دُنیا کو چھوڑنے والا ہے۔
وہی شخص، قدرتی طور پر، سب سے زیادہ
اپنے سونے سے چمٹے رہنے کی خواہش رکھتا ہے۔
اگر تُو کسی بخیل کی تصویر کھینچے
تو تُو غالباً ایک کھوپڑی، بے رنگ چہرہ
اور سوکھے ہاتھوں والا شخص دیکھے گا
جو موت کے دروازے پر دستک دے رہا ہو۔

آہ! نہیں
ابلیس اپنی گرفت ڈھیلی نہیں کرتا جب ہماری آنکھیں دھندلی ہو جائیں
اور ہمارے حواس ماند پڑ جائیں۔

بلکہ وہ تو اپنے شکار کو اور بھی مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے۔
انسان کی غلامی اُس کے جسمانی زوال کے ساتھ کمزور نہیں ہوتی۔
اگر ایک خواہش دم توڑتی ہے، تو کوئی اور اُس کی جگہ لے لیتی ہے۔

اگر ہم تصور کریں کہ بدی کی قوت کبھی سوتی ہے
 تو تب ہم تصور کر سکتے ہیں کہ انسان بچ نکلے۔
 اسی لیے ہم "حاجی کی ترقی" میں پڑھتے ہیں
 کہ جب دیو پاس رات کو کیکپی میں مبتلا ہوا
 تو مسیحی اور اُمیدوار اُس کے قلعہ سے بچ نکلے۔
 ہاں، مگر وہ تو خدا کے فرزند تھے
 نہ کہ صرف طبعی انسان۔

گناہگار کے معاملے میں دشمن کبھی نہیں سوتا۔
 بدی کی قوی قوت گناہگار کو اپنی گرفت میں رکھتی ہے
 اور اُس کی بولناک نگرانی کبھی بھی موقوف نہیں ہوتی۔
 —وہ اکیلا ہو یا مجمع میں، رات ہو یا دن
 وہ مسلسل نگرانی میں ہے
 اور نہ کسی اتفاق سے، نہ کسی چالاکی سے
 وہ قیدی رہائی پا سکتا ہے۔

اب تک کی تمام گفتگو سیلابی سے بھری ہے
 اور حرقی ایل کے طومار کی مانند اندر باہر نوحہ سے لبریز ہے۔
 یاد رکھ اے دوست
 جب میں تجھ سے مخاطب ہوں
 تو تجھ ہی سے مخاطب ہوں، اگر تو یسوع پر ایمان نہیں رکھتا۔

اے غیر توبہ یافتہ مردو اور عورتو! تم سے میں خدا کی ابدی صداقت کے یہ پُرہیت کلمات مخاطب کرتا ہوں۔
 تم زور آور کے شکار ہو، اور خدا کی شریعت کے قیدی۔
 کیا تم چھڑائے جا سکتے ہو؟
 کیا تم فدیہ پا سکتے ہو؟

—اب ہم اپنی تصویر کے روشن پہلو کی طرف متوجہ ہوتے ہیں
 اُس اُمید افزا منظر کی جانب جو ہمارے متن میں جلوہ گر ہے

II:

کیا شکار چھڑایا جا سکتا ہے؟
 کیا قیدی آزاد کیا جا سکتا ہے؟

ہم کہتے ہیں:
 ہاں، وہ چھڑایا جا سکتا ہے

ہاں، اے گناہگار، تُو چھوٹ سکتا ہے۔
 تیری فطرت کو بالکل بدل دیا جا سکتا ہے۔
 تیری عادتیں توڑی جا سکتی ہیں۔
 رسم و رواج کا سحر موقوف کیا جا سکتا ہے۔
 —تیرے پیارے گناہ—جن سے تُو لپٹا ہوا ہے
 وہ تیرے پاؤں تلے روندے جا سکتے ہیں
 اور جن بدیوں سے تُو محبت کرتا ہے
 انہیں تُو نفرت کے ساتھ رد کر سکتا ہے۔

اور یہ کام تیرے لیے کیا جا سکتا ہے
 ابھی، اسی لمحہ
 تیاری کے بغیر
 فضل سے، قدرت سے، معجزہ سے۔

لیکن وہ کون ہے جو یہ سب کچھ کر سکتا ہے؟
—آہ! وہ ہمارے درمیان موجود ہے، اگرچہ ہماری آنکھ اُسے نہیں دیکھ سکتی
خدا کا پاک روح۔

!اے پاک ترین روح، تیرا جلال ہو

،ایسا ایک ہستی ہے جسے خدا نے اپنی کلیسیا کو عطا فرمایا
جس کو قدرت بخشی گئی ہے کہ
،فہم کو روشن کرے
،مرضی کو نیا بنائے
—دل کی رغبتوں کو بدل دے
:بلکہ مختصر یہ کہ
ہمیں مسیح یسوع میں نئی مخلوق بنائے۔

یہ پاک روح—خود خدا ہے۔
اور جان لے، کہ جب تک وہی خدا
،جس نے آدم اور حوا کو باغ عدن میں خلق کیا
،آکر ہمیں دوبارہ نہ بنائے
ہم ہرگز نجات نہیں پا سکتے۔

تجھ پر ایسا ہی عظیم معجزہ واقع ہونا چاہیے
،جیسے تُو مر جائے
،قبر میں دفن ہو جائے
اور پھر نئی زندگی کے لیے زندہ کیا جائے۔
خدا تجھے دوبارہ خلق کرے۔
وہ تجھے مسیح یسوع میں نیک کاموں کے لیے زندہ کرے۔

کیا یہ واقعی ہوتا ہے؟ کوئی پوچھتا ہے۔
!ہاں، یہ اکثر ہوتا ہے
،یہاں سینکڑوں ایسے ہیں جن پر یہ عجیب تبدیلی گزر چکی ہے
:یہاں تک کہ وہ اب وہ نہیں رہے جو پہلے تھے
"پُرانی چیزیں جاتی رہیں، دیکھو، سب کچھ نیا ہو گیا"

تُو خود یہ کام نہیں کر سکتا۔
کوئی کابن یا واعظ بھی یہ عمل انجام نہیں دے سکتا۔
لیکن پاک روح یہ کر سکتا ہے۔
،وہ ابھی یہ کام مکمل کر سکتا ہے
—کیونکہ اُس کی قدرت اتنی عظیم ہے
اُتنی ہی الہی۔

میں تجھے بہت سی زندہ گواہیاں دے سکتا ہوں۔
مگر یادگار ہے وہ ایک جو عہدنامہ جدید کی تاریخ میں ہے
—اور جس پر شک کی کوئی گنجائش نہیں
ساؤل، جو مسیح سے عداوت رکھتا تھا۔
،مسیحیوں کا جفا کش
،ایسا فریسی
جو عہد نجات کو مٹانے کا ارادہ رکھتا تھا۔
،وہ یروشلم میں ایمانداروں کا تعاقب کر چکا تھا
اور اپنی ظلمت سے اُنہیں کفر پر مجبور کیا تھا۔

اُس نے سردار کابنوں سے خط حاصل کیے تھے
اور دمشق کی راہ پر تھا
اپنے دل میں یہ کہتا ہوا
میں اُنہیں سناؤں گا۔"

میں مسیحی مذہب کے اقرار یوں کو زبان کاٹنے پر مجبور کروں گا
میں اُنہیں عبادت خانوں میں کوڑے ماروں گا
اور اُنہیں ناصری پر ایمان لانے سے بیزار کر دوں گا۔"

وہ گھوڑے پر سوار، فخر سے رواں تھا
دوپہر کا وقت تھا
اور دمشق کے نارنجی باغ نظروں میں آ رہے تھے
حجب اچانک ایک نور
سورج کی دوپہری روشنی سے زیادہ تابناک
اُس کے گرد چمکا۔
وہ حیران اور اندھا ہو کر زمین پر گر پڑا۔

تب ایک آواز اُس کے کانوں میں گونجی
"ساؤل، ساؤل، تُو مجھے کیوں ستاتا ہے؟"
یہ آواز اُس کے دل میں پیوست ہو گئی
اور اُس کے فہم میں داخل ہو گئی۔
جلد ہی اُس نے جان لیا
کہ جس مسیح کو وہ ستاتا تھا
وہی خدا کا بیٹا ہے۔

"اُس نے کہا: "اے خُداوند، تُو کون ہے؟"
جواب آیا: "میں یسوع ہوں، جسے تُو ستاتا ہے؛"
تیرے لیے مہاف کی نوکوں پر لات مارنا مشکل ہے۔"

اُس لمحے اُس پر حقیقت آشکار ہوئی۔
وہ جسے دھوکہ باز سمجھتا تھا
وہی مسیح، مسیح موعود تھا۔

سیپی اُس کو درکار تھا
وہ اُٹھا، اگرچہ جسمانی طور پر اندھا
مگر رُوحانی طور پر اُس نے اُس روز سے زیادہ کبھی نہ دیکھا تھا۔
لوگوں نے اُسے ہاتھ سے تھام کر دمشق میں پہنچایا۔

!آہ! کیسی عظیم تبدیلی اُس پر آ گئی
!کیسا بدلا ہوا انسان وہ تھا
تین ہی دن میں
حننیاہ، ایک غیر معروف ایماندار
اُسے ایمان کی تعلیم دے رہا تھا اور کہتا تھا
"بھائی ساؤل، اپنی بینائی پائے۔"

پھر وہ بیتسمہ یافتہ ہوا
اور کچھ ہی دنوں میں
تُو اُسے عبادت خانہ میں پاتا ہے
اب ستانے کے لیے نہیں
بلکہ گواہی دینے کے لیے۔
اب مقدسوں کو پکڑوانے نہیں
بلکہ نجات دہندہ کی گواہی دینے کے لیے۔

پھر اُس کی تمام زندگی میں
،تُو اُس کی صداقت دیکھ سکتا ہے
،اُس کے دل کی گرمجوشی
،اُس کی مسیح سے گہری وابستگی
اور اُس کے ایمان کا پختہ یقین۔

وہ کہتا ہے:
،خُدا نہ کرے کہ میں کسی چیز پر فخر کروں"
"سوا اپنے خُداوند یسوع مسیح کی صلیب کے۔

اور اُس کے لیے وہ اعلان کرتا ہے:
،میں نے سب کچھ نقصان جانا"
،بلکہ کوڑا کرکٹ سمجھا
تاکہ مسیح کو حاصل کروں
"اور اُس میں پایا جاؤں۔

،اے سامع
تجھ میں بھی ایسا ہی تغیر واقع ہونا چاہیے۔
یہ ہو سکتا ہے۔
یہ ہم میں سے بہتوں میں ہوا ہے۔
یہ اسی لمحے تجھ میں بھی ہو سکتا ہے۔

”اوہ!“ کوئی کہتا ہے، ”کاش ایسا ہو! مگر میں کیا کر سکتا ہوں؟“
میں تجھے بتاتا ہوں۔
میں نے ایک جائز اسیر کا ذکر کیا—سو تُو بھی اسی حالت میں ہے۔ چونکہ تُو نے خُدا کی شریعت کو توڑا ہے، عدل تقاضا کرتا
ہے کہ سزا کامل طور پر تجھے دی جائے؛
یہ لامحالہ ہے۔
ہر گناہگار اپنے گناہ کا جوابدہ ہے، اور ہر گناہگار اپنے اعمال کی سزا پائے گا۔

الیکن سُن
—اِس کو توجہ سے سُن، اور ایمان لا
،خُدا خُود، اپنے پیارے بیٹے کی صورت میں، محض محبت کی راہ سے تیرے واسطے اس جہان میں آیا
اور اُس نے وہ دُکھ اُٹھایا، جو تجھے اُٹھانا چاہیے تھا۔
جو کوئی یسوع پر ایمان لاتا ہے، اُس کے لیے یسوع مسیح نے وہ سزا اُٹھائی جو اُس کے گناہوں کے سبب واجب تھی۔

،کیا؟“ کوئی پوچھتا ہے، ”اگر میں یسوع مسیح پر نجات کے لیے توکل کروں“
،تو کیا تُو یہ کہتا ہے کہ میرے گناہوں کی جو سزا مجھ پر واجب تھی
،”وہ مسیح پہلے ہی اُٹھا چکا ہے؟“
اباں، میں یہی کہتا ہوں
،اگر تُو دل و جان سے یسوع پر ایمان لاتا ہے
،تو تُو فی الفور معاف کیا گیا
اور خُدا کے غضب سے ہمیشہ کے لیے مامون ٹھہرتا ہے۔

،کیونکہ اُس نے تیرے واسطے جیا
،محبت کی، اور مر گیا
اسی سبب تُو بخشا گیا۔
خُدا تجھ سے محبت رکھتا ہے۔
تیرے ماضی کے گناہ اُس کی کتاب سے محو کر دیے گئے۔

—اوہ! کیا یہ سچ ہے؟“ تُو پوچھتا ہے
ایقیناً سچ ہے

بس اب تُو اپنا توکل مسیح پر رکھ
—اور یہ سب تیرے لیے پورا ہوگا
تیرے گناہ مٹ چکے
تیری بندکاری محو کر دی گئی۔

اب میں محسوس کرتا ہوں کہ کوئی پیاری جان کہتی ہے، ”ہاں، میں یقین رکھتا ہوں
—لیکن میں اس کو ٹھیک سے سمجھ نہیں پاتا
!یہ رحمت اتنی بڑی ہے
!اوہ، خُدا نے مجھ سے کیسی عظیم محبت رکھی
،کیسی شفقت و ترس اُس کے پیارے بیٹے نے مجھ پر کی
“!کہ اُس نے اپنی جان میرے لیے دے دی

کیا تُو اس پر آمادہ ہے؟
پھر یہ سب ہو چکا۔
تُو پہلے جیسا نہ رہا۔
تیرا دل خُدا کی طرف مائل ہوا ہے
جیسا کہ پہلے کبھی نہ تھا۔
،رُوح القدس نے مسیح کی محبت کی بشارت کو تیرے دل پر کارگر کیا
اور وہی محبت تیرے دل کی کنجی بنی جو اُسے بالکل پھیر لائی۔

کیا تُو نے اس پر پورے دل سے ایمان لایا؟
پھر آج سے تُو نیا انسان ہوگا۔
تُو اُن چیزوں سے محبت نہ کرے گا جن سے پہلے کرتا تھا۔
،خُدا کے لوگ جنہیں تُو حقیر جانتا تھا
،اب اُن کی عزت کرے گا
،کیونکہ تُو کہے گا، ”میں بھی اُن میں سے ہوں؛
مسیح نے مجھے اپنے خون سے دھو ڈالا۔
،میں گناہوں میں ڈوبا ہوا تھا
پر اب وہ سب مٹ گئے ہیں۔
میرے خُدا نے میرے گناہ معاف کر دیے۔
میرا خُدا مجھ سے راضی ہے۔
میں اُس کی محبت کو اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں۔
!اوہ، میں اپنے سب گناہوں پر کیسی توبہ کرتا ہوں
،اے خُداوند! میری مدد فرما کہ جو کچھ خیال، کلام یا عمل میں ناپاک ہے
میں اُسے چھوڑ دوں۔
،جو چیز میرے دل کو عزیز ہے
،اگر وہ تیرے خلاف ہے
—تو میں اُسے رد کرتا ہوں
!جا، اے گناہ
!جا، اے شہوتِ نفس
!جا، اے شرابی جامو
!دور ہو جاؤ، اے فاسقوں کی سنگت اور بے حیا گیتو
—مجھ سے دور ہو جاؤ
اب میں تمہیں برداشت نہیں کر سکتا۔
،میرے خُدا نے مجھ سے محبت کی
اور میں اب اُس سے محبت رکھتا ہوں کیونکہ اُس نے پہلے مجھ سے محبت رکھی۔
،اب سے میں نئی مخلوق ہوں
،معاف شدہ، پاک ٹھہرایا گیا
مسیح میں مقبول اور قبول کیا گیا۔

اے لے مجھے، اے خُداوند
اپنا کہہ
،کیونکہ تُو نے مجھے اپنے خون سے خریدا
،اپنے رُوح سے مسح کیا
اور اپنی اولاد میں گنا۔
،لے لے مجھے
اور مجھے اپنی تمجید کے لیے استعمال فرما۔
،چاہے میں جیوں یا مَرُوں
میں تیرے نام کی ستائش کروں۔

،مجھے یاد ہے کہ میں نے ایک بوڑھے ملاح کو کہتے سنا
،میں نے ساٹھ برس تک ابلیس کا سیاہ جھنڈا اپنی کشتی پر بلند رکھا”
،لیکن آج رات خُدا کے فضل سے
،میں نے اُسے نیچے اتار دیا
”اور اب خُداوند یسوع کے لال صلیبی پرچم کو بلند کیا ہے۔

اوہ، رُوح القدس! آ اور یہ معجزہ بہت سے دلوں میں کر۔
،تاکہ ”شکار زور آور سے چھڑایا جائے
”اور جائز اسیر رہائی پائے۔

اوہ! کیا تیرے ہمسائے حیران نہ ہوں گے
اگر تُو آج ایک مسیحی ہو کر گھر لوٹے؟
—اور تم میں سے جو ہمیشہ نیک چلن اور ظاہری دیدار رہے ہو
اگر تُو اپنے دوستوں کو بتائے
،کہ خُدا نے تیرے ساتھ کیا بڑا کام کیا ہے
—اور نجات کی قوت کو اُن کے سامنے ظاہر کرے
،تو شاید وہ تجھ پر ہنسیں اور کہیں
،لگتا ہے تُو میتھوڈسٹوں کے ساتھ رہا ہے”
”اور اُن کی دُکانداری سیکھ آیا ہے۔
!وہ تجھ پر حیران ہوں گے

—ہماری منادی کا مقصد بھی یہی ہے
کہ یسوع کے نام سے ایسے معجزات رونما ہوں۔
،کہ شرابی ہوشیار ہو جائے
،بدسلوک مہربان بنے
،لالچی فیاض ہو
،بے پرواہ دُعا گو ہو
اور ریاکار سچے روحانی خُداجو بنیں۔

،ایسے اخلاقی تغیرات اپنی زبان آپ بولتے ہیں
،اور جب تبدیلی آشکار ہو
تو تیرے عزیز اور واقف کار اس کو موضوع گفتگو بنانا نہ بھولیں گے۔

خُدا کو جلال ہو
،وہ فولادی زنجیروں کو توڑ سکتا ہے
اور اکثر اُن ہی کو رہائی بخشتا ہے
جن کے بارے میں ہم گمان بھی نہیں کرتے کہ وہ انہیں چُنے گا۔
میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ لانتہا رحم میں
اکثر چاروں طرف نظر دوڑاتا ہے تاکہ کسی پیش رو گناہگار کو تلاش کرے۔

اوہ رہا
اپنے فسق میں نمایاں
اپنی شرم کو خود آشکار کرنے والا۔
—انجیل کی بندوق اُس پر تان لی جاتی ہے
اور وہ گر پڑتا ہے۔

جب ابلیس کی فوج کا کوئی افسر گرتا ہے
—تو بڑی ہابکار مچتی ہے
خُدا جلال پاتا ہے
وہ شخص بچایا جاتا ہے
اور دشمن کی صفوں میں ضعف آتا ہے۔

—اوہ، کاش آج رات کوئی ایسا خُداوند یسوع کے قدموں میں لایا جائے
کوئی مغرور ریاکار
کوئی ظاہری کلیسیا میں آنے والا
جس کا تمام مذہب چند سطحی رسموں میں بند ہو
یا کچھ بے جان اقوال میں۔

اوہ، کاش خُدا اُس کے دل میں تیر باندھے
اور آج سے اُس کے ساتھ ایسا سچا دلی معاملہ کرے
!جو ابد تک قائم رہے

مجھے اُمید ہے کہ جب میں بھرتی کا نفاذہ بجاتا ہوں
تو کچھ ایسے بھی ہوں گے
جو ابلیس کی فوج میں جرات سے لڑ چکے
اور اب یسوع مسیح کے بھی ویسے ہی دلیر سپاہی بنیں گے۔

!میرا دل تڑپتا ہے کہ یہ بات سچ ہو
—پس دیر نہ کر
فوراً گواہی دے کہ فضل نے تیرے لیے کیا کیا ہے
اور بعد میں سُستی نہ دکھا
اُس کے لیے لڑنے میں
جس نے تیرے لیے جیا، محبت کی، اور اپنی جان دی۔

خُدا اپنے نام کی خاطر
!اپنے کلام کو تم سب پر برکت دے
آمین۔

تشریح از سی۔ ایچ۔ سپرجن
رومیوں 20-1:4

آیات 1-3

پس ہم کیا کہیں کہ ابراہیم—ہمارا باپ، جسم کے لحاظ سے—کیا پا گیا؟
کیونکہ اگر ابراہیم اعمال سے راستباز ٹھہرا
تو اُسے فخر کرنے کا باعث ہے—لیکن خُدا کے حضور نہیں۔
پس کلام مقدس کیا فرماتا ہے؟
"ابراہیم نے خُدا پر ایمان لایا، اور یہ اُس کے لیے راستبازی شمار کیا گیا۔"

وہ ایمان داروں کا باپ ٹھہرا
اور یہ اُس کو، اور اُس میں ایمان رکھنے والوں کو دیا گیا عہد ہے
"ابراہیم نے خُدا پر ایمان لایا، اور یہ اُس کے لیے راستبازی گنا گیا۔"

:آیت 4

اب جو کام کرتا ہے،
اُس کی مزدوری فضل سے نہیں بلکہ حق کے طور پر شمار کی جاتی ہے۔

—یعنی وہ جو اپنے اعمال کے وسیلہ سے نجات کی اُمید رکھتا ہے
جس کے نزدیک نجات مزدوری ہے
ایسے کے لیے فضل کا کوئی ذکر نہیں۔

:آیت 5

لیکن جو کام نہیں کرتا
بلکہ اُس پر ایمان رکھتا ہے
جو بے دین کو راستباز ٹھہراتا ہے
اُس کا ایمان راستبازی شمار کیا جاتا ہے۔

یہ وہ شخص ہے
جو اعمال کی راہ پر نہیں چلتا
اور اپنے اعمال کو خُدا کے حضور قیمت کے طور پر پیش نہیں کرتا۔
"اُس کا ایمان راستبازی شمار کیا جاتا ہے۔"
یہ ایک نہایت عجیب بات ہے
کہ ایمان راستبازی کے قائم مقام ہو جائے
اور جو کوئی یسوع مسیح کے وسیلہ سے خُدا پر ایمان لاتا ہے
وہ راستباز ٹھہرایا جائے۔

:آیات 6-8

جیسے داؤد بھی اُس شخص کی مبارکی بیان کرتا ہے
جس کو خُدا بغیر اعمال کے راستباز ٹھہراتا ہے
کہتا ہے:
"مبارک ہیں وہ جن کی بدکاریاں معاف ہوئیں"
اور جن کے گناہ ڈھانپے گئے۔
مبارک ہے وہ آدمی
"جس کے گناہ خُداوند شمار نہیں کرے گا۔"

—یہ شخص کام کرنے والا نہ تھا
بلکہ گناہ گار تھا۔
مگر خُدا نے اُس پر گناہ شمار نہ کیا
کیونکہ اُس نے ایمان لایا۔
اور خُدا نے اُس کے ایمان کے سبب سے اُسے راستباز ٹھہرایا۔
پھر ایک نہایت اہم سوال اٹھتا ہے

:آیت 9

پس کیا یہ مبارکی فقط ختنہ والوں پر آتی ہے؟
یا بے ختنہ پر بھی؟
کیا ختنہ اتنا لازمی ہے
کہ انسان صرف ختنہ کے بعد ایمان سے راستباز ٹھہر سکتا ہے؟

:آیات 9-10

کیونکہ ہم کہتے ہیں
کہ ایمان ابراہیم کے لیے راستبازی شمار کیا گیا۔
پس کب شمار کیا گیا؟
کیا اُس وقت جب وہ ختنہ یافتہ تھا
یا جب وہ بے ختنہ تھا؟

—تاریخ پر نگاہ ڈالو
دیکھو ابراہیم کس حالت میں تھا
جب اُس کا ایمان اُس کے لیے راستبازی گنا گیا۔
جواب یہ ہے:

آیات 10-11:

،نہ ختنہ میں
بلکہ بے ختنہ میں۔
،اور اُس نے ختنہ کا نشان پایا
بطور مُہر اُس راستبازی کی
جو اُسے بے ختنہ ہوتے ہوئے ایمان کے وسیلہ سے حاصل ہوئی تھی۔

کیونکہ نشان کو اُس شے کے بعد آنا چاہیے
جس کی وہ علامت ہے۔
،پہلے اُسے ایمان کے سبب راستباز ٹھہرایا گیا
پھر بعد میں اُسے عہد کا نشان عطا ہوا۔

11

تاکہ وہ اُن سب کا باپ ٹھہرے جو ایمان لاتے ہیں، خواہ وہ ختنہ یافتہ نہ بھی ہوں؛ .
تاکہ راستبازی اُن کو بھی شمار کی جائے۔
یہ ایک نہایت عجیب اور عظیم بھید ہے۔
،پیدائش کی کتاب پڑھنے والوں کی کثرت کو شاید کبھی یہ بات معلوم نہ ہوتی
اگر رُوح القدس نے اِس نکتہ پر روشنی نہ ڈالی ہوتی
کہ باپ ابراہیم اُس وقت راستباز ٹھہرایا گیا
جب وہ بنور ختنہ یافتہ نہ تھا۔
،اور یہ اسی لیے ہوا
،تاکہ وہ سب ایمان داروں کا باپ بنے
،خواہ وہ ختنہ یافتہ ہوں یا بے ختنہ
"تاکہ راستبازی اُن کو بھی شمار کی جائے۔"

12-13.

،اور وہ ختنہ والوں کا بھی باپ ہو
،جو صرف ختنہ یافتہ نہیں
بلکہ اُن کے بھی
جو اُس ایمان کی راہوں پر چلتے ہیں
جو ہمارے باپ ابراہیم کو حاصل تھا
جب وہ ابھی ختنہ یافتہ نہ تھا۔
،کیونکہ یہ وعدہ
،کہ وہ دنیا کا وارث ہوگا
،ابراہیم کو یا اُس کی نسل کو شریعت کے وسیلہ سے نہ دیا گیا
بلکہ ایمان کی راستبازی کے وسیلہ سے۔

کیونکہ جب وہ وعدہ کیا گیا
—شریعت ابھی نازل نہ ہوئی تھی
شریعت تو چار سو برس بعد آئی۔
،پس فضل کا عہد سب سے پہلا عہد ٹھہرا
اور وہ قائم رہے گا، جو کچھ بھی ہو جائے۔

14.

،کیونکہ اگر وہ جو شریعت کے پیرو ہیں وارث ہوں

،تو ایمان باطل ٹھہرا
اور وعدہ بے اثر ہوا۔

اگر تُو نجات کو شریعت کے وسیلہ سے پانا چاہے
تو ایمان کا کیا کام؟
وعدے کا کیا مصرف؟
اور مسیح کا تجھ سے کیا تعلق؟
تُو تو بالکل ہی اور راہ پر ہے۔

15.

کیونکہ شریعت غضب پیدا کرتی ہے؛
کیونکہ جہاں شریعت نہیں
وہاں تجاوز بھی نہیں۔

—یہ صاف اور واضح حقیقت ہے
جہاں کوئی حکم نہیں
وہاں نافرمانی بھی شمار نہیں ہوتی۔
اور یوں گناہ آلودہ انسان کی حالت میں
شریعت گناہ کا باعث بن جاتی ہے
راستبازی کا نہیں۔

16.

،پس ایمان ہی سے ہے
تاکہ یہ فضل سے ہو؛

تاکہ نجات صرف ایمان کے وسیلہ سے ہو
—تاکہ یہ ظاہر ہو کہ یہ خُدا کے فضل کا کامل عطیہ ہے
،نہ انسانی قابلیت سے
،نہ کسی شریعتی عمل سے
بلکہ مسیح یسوع میں خُدا کی بے پایاں رحمت سے۔

17-16.

—تاکہ وعدہ تمام نسل پر پُورا ہو
،نہ صرف اُن پر جو شریعت کے ماتحت ہیں
بلکہ اُن پر بھی جو ابراہیم کے ایمان کی راہ پر ہیں؛
کیونکہ وہ ہم سب کا باپ ہے۔

ہم کس خُدا پر ایمان رکھتے ہیں؟
ایسے خُدا پر
!جو مُردوں کو زندہ کرتا ہے
،جب تک ہم ایسے خُدا پر ایمان نہ لائیں
تب تک ہم میں سچا ایمان نہیں۔
اور آخرکار
ہمیں ایسے ہی خُدا کی ضرورت ہوگی
جو ہمیں اپنے دہنے ہاتھ پر محفوظ پہنچائے۔

20-18.

،جو ناامیدی کی حالت میں اُمید پر ایمان لایا
،تاکہ وہ بہت سی قوموں کا باپ بنے
:جیسا کہ فرمایا گیا
"تیری نسل ایسی ہی ہوگی۔"

اور جب اُس نے اپنے بدن کو دیکھا
،جو قریباً سو برس کا ہو کر مردہ سا تھا
،اور سارہ کے رحم کی مردہ حالی کو بھی
تو وہ ایمان میں کمزور نہ ہوا۔
،اور وہ خدا کے وعدہ پر بے ایمانی سے شک میں نہ پڑا
بلکہ ایمان میں مضبوط ہو کر
خدا کو جلال دیا۔

لوگ سمجھتے ہیں
،کہ صرف اعمال ہی خدا کو جلال دیتے ہیں
لیکن ایک درہم ایمان
ایک من اعمال سے بڑھ کر جلال خدا کو بخشتا ہے۔
،کیونکہ اکثر اعمال سے انسان فخر اور خود بینی میں پڑ جاتا ہے
لیکن ایمان خود کو خاک میں ڈال دیتا ہے
اور سارا جلال خدا کو دیتا ہے۔
خدا اُس وقت سب سے زیادہ جلال پاتا ہے
جب اُس کے لوگ
مشکل حالات میں بھی اُس پر ایمان رکھتے ہیں۔
چنانچہ ابراہیم "ایمان میں مضبوط ہوا
"اور خدا کو جلال دیا۔